© rasailojaraid.com

اسلامی معاشیات

ایک تعارف

ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی

(یہ مقالہ اسلامی معاشیات پر ہونے والے ایک سمینار کے لیے تحریر کیا گیا تھا جو اکتوبر ۲۷، ۲۸، ۱۹۹۵ء کو جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڑھ میں منعقد ہوا تھا۔ اس سمینار کا اہتمام جامعۃ الفلاح اور انڈین ایسوسی ایشن فار اسلامک اکنامکس نے مل کر کیا تھا۔ مقالہ نگار کے پیش نظر غیر اصطلاحی اور سادہ زبان میں اسلامی معاشیات کا جامع تعارف تھا۔ اسی لیے معاشیات کی بعض باریکیوں کو قصداً نظر انداز کیا گیا ہے۔)

اسلامی معاشیات کا تعارف کرانے سے پہلے دو غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری ہے۔ پہلی غلط فہمی عصری معاشیات کے ماہرین نے یا تو عمداً پیدا کی ہے یا پھر وہ اُن بنیادی حقائق سے صحیح طور پر متعارف نہیں ہیں جن کے تناظر میں اسلامی معاشیات کی دور حاضر میں تجدید ہوئی ہے۔ وہ غلط فہمی یہ ہے کہ اسلامی معاشیات دراصل عصری معاشیات کا مثنیٰ یا خاص ایڈیشن ہے۔ اگر آپ جدید علم معاشیات یا نظام معیشت میں زکوٰۃ کو فرض قرار دیں اور سود کو حرام اور معاشی پالیسیوں کا اولین مقصد اجتماعی عدل قرار دیں تو یہی علم اسلامی معاشیات بن جاتا ہے۔ اسی موقف کے حق میں دو دلیلیں دی جاتی ہیں۔ اولاً یہ کہ عصری علم معاشیات دراصل ایسے قوانین اور نظریات کا مجموعہ ہے جو قوانین فطرت کی طرح اٹل بھی ہیں اور دوامی بھی۔ ان کا اطلاق ہر سماج پر ہوتا ہے چاہے اس کا تمدن اور اس کی ثقافت کچھ بھی ہو۔ طلب رزق ہر انسان کی فطری ضرورت ہے اس کے لیے جو ذرائع اور وسائل اختیار کیے جاتے ہیں ان کی نوعیت تکنیک کی ہے جیسے کسان کا ہل یا لوہار کا ہتھوڑا۔ ثانیاً یہ کہ انسان کی ترجیحات ہر سماج میں ایک ہی جیسی ہوتی ہیں۔ وہ سامان ضرورت اور راحت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس لیے وہ ان کی قیمت اور ان کے افادہ سے ایک ہی طرح متاثر ہوتا ہے۔ علم معاشیات دراصل اسی جدوجہد اور انھیں ترجیحات کا مطالعہ کرتا ہے۔ اور ایسے عمومی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نتائج، نظریات اور قانون اخذ کرتا ہے جو علم طبیعیات کی طرح نہ اسلامی ہو سکتے ہیں اور نہ غیر اسلامی' یہ خالص سائنٹفک تجزیہ ہے۔ عقائد' اقدار اور کلچر کے امتیازات کے درمیان یہ غیر جانبدار رہے۔ بنابریں اسلامی معاشیات ایک تحصیل حاصل ہے۔ بے معنی جد وجہد ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ ایک جزوی ترمیم کی حیثیت رکھتی ہے، مگر عصری معاشیات کا غیر جانبداری کا دعویٰ یکسر غلط ہے۔ جیسا کہ آئندہ سطور سے واضح ہوگا۔

ایک دوسری غلط فہمی دیندار حلقے میں پائی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ اسلامی معاشیات دراصل ان قوانین کا مجموعہ ہے جو قرآن وحدیث اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں اور انسان کی معاشی زندگی سے بحث کرتے ہیں۔ اسلامی معاشیات انھیں قوانین اور ضوابط کو معاشی اصطلاحات کا جامہ پہناتی ہے اور عصر حاضر کے احوال ظروف پر ان کا انطباق کرتی ہے، اس موقف کا نقص یہ ہے کہ یہ معاشیات کو فقہ اسلامی کے ایک شعبہ سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ حالانکہ عصری علم معاشیات بیع وشرا' ٹیکس اور کسٹم ڈیوٹی یا بنکنگ اور انشورنس کے قوانین کا نام نہیں۔ وہ ان قوانین سے بے نیاز نہیں ہے لیکن اس کا اصل دائرہ کار معاشی جد وجہد' اُس کے عوامل اور اس کے ارتقاء کا تجزیہ ہے۔ بعینہ اسلامی معاشیات زندگی کے معاشی پہلو سے متعلق فقہی قوانین اور ضوابط کی فہرست تیار کرنے کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ اسلام کی تعلیمات' اقدار اور اصولوں کے تحت معاشی زندگی اور اس کے متنوع پہلوؤں کا تجزیہ کرتی ہے تاکہ یہ معلوم کر سکے کہ الٰہی نظامِ اقدار کے زیر سایہ معاشی جد وجہد کی نوعیت اور اس کے عوامل کا کردار کیسا بنتا ہے اور کس انداز کا نظامِ معیشت تشکیل پاتا ہے اور انسان کا معاشی مسئلہ کس طرح حل ہوتا ہے۔

آئندہ سطور میں ہم اسلامی معاشیات کی حقیقی نوعیت سے بحث کریں گے اور یہ بھی واضح کریں گے کہ اسلامی معاشیات اور عصری علم میں کس طرح کا جوہری فرق ہے۔

عصری علم معاشیات انسان کی انفرادی اور اجتماعی معاشی جد وجہد کا تجزیاتی مطالعہ ہے۔ اس کا نشو ونما ایک خاص تہذیبی اور ثقافتی پس منظر میں ہوا ہے اس کے کلیدی تصورات میں ایک تصور یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی چیز وافر مقدار میں نہیں ملتی جو سارے انسانوں کے لیے ان کی ضرورت اور خواہش کے لیے کفایت کرے۔ اس کو ماہرین اقتصادیات Scarcity قلت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ چونکہ اس دنیا میں معاش کے لیے استعمال ہونے والی چیزوں کی قلت پائی جاتی ہے۔ اس لیے ہر فرد کے لیے لازم ہے وہ ان کو حاصل کرنے کے لیے جد وجہد کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ جد وجہد مسابقت کہلاتی ہے۔ اسی جد وجہد میں کامیابی بقدر استطاعت ملتی ہے۔ استطاعت اس مہارت یا کارکردگی سے عبارت ہے جس کو ماہرین معاشیات Efficiency کے نام سے پکارتے ہیں۔ جو جتنا ہی زیادہ ماہر Efficient ہوگا اُس کو مسابقت کے بازار میں اتنی ہی کامیابی ملے گی۔ قلت کی اس دنیا میں بہترین تقسیم وسائل وہی ہوتی ہے جو مسابقت اور مہارت فن Efficiency کا ثمرہ ہو۔

مذکورہ بالا اساسی تصورات معروضی نہیں ہیں بلکہ ان کی تشکیل اور توضیح کے پس منظر میں مغربی ثقافت اور اقدار جھلکتی ہیں انسان کا ایک خاص تصور ہے جو اس کلچر کا آئینہ دار ہے جس میں عصری علم کا ارتقاء ہوا ہے۔ علم معاشیات کے اسنادی ماہرین نے اپنی ضرورت کے لیے انسانی فطرت کا یہ خاص تصور خود وضع کیا ہے۔ انھوں نے اس تصور کو نہ علم نفسیات سے مستعار لیا تھا اور نہ اس امر کی زحمت کی تھی کہ اس تصور کو تجربات اور حقائق کی روشنی میں جانچتے اور پرکھتے۔ ان کے پیش نظر تو صرف ایک ایسے علم کی بنیاد ڈالنا تھا جو سائنسی علوم کے مشابہ ہو۔ چناں چہ انھوں نے حیوانات کی دنیا کا سرسری مطالعہ کیا اور یہ دیکھا کہ ہر چرند اور پرند کی جد وجہد کی واحد غایت اپنی غذا کا حصول ہے۔ وہ اپنے شکار پر جھپٹتے ہیں اور طاقتور کمزور کو کھا جاتا ہے۔ اس دنیا کا سطحی مطالعہ کرنے کے بعد انھوں نے انسانوں پر اس کا انطباق کیا اور یہ فرض کیا کہ فرد کی معاشی جد وجہد کی واحد غایت افادہ Utility حاصل کرنا ہے۔ ایسا افادہ جس کو زر کے پیمانے سے ناپا اور تولا جا سکے۔ اس سے آگے بڑھ کر انھوں نے یہ بھی فرض کیا کہ ہر فرد کم سے کم تکلیف اٹھاکر زیادہ سے زیادہ افادہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس مفروضے کو سائنٹفک بنانے کے لیے ماہرین اقتصادیات نے افادہ اور عوائد Return کے مختلف نظریات بنائے اور طلب اور رسد کے قوانین وضع کیے انھوں نے یہ بھی فرض کیا کہ چوں کہ ہر فرد زیادہ سے زیادہ افادہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس لیے مسابقت فطری ہے۔ بازار مسابقت پر ترتیب پاتے ہیں اور اگر ہر فرد اسی میدان میں جد وجہد کرے تو پورا سماج اس سے مستفید ہوتا ہے۔ قومی پیداوار کی سب سے بہتر تقسیم وہ ہے جو مسابقت کے نتیجہ میں وجود پذیر ہو۔ اس مسابقت میں کامیابی اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو بہتر استعداد کا حامل ہو اور حالات و رجحانات کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے کا گر جانتا ہو۔ مہارت اور استعداد جس طرح نظامِ فطرت میں زندہ اور کامیاب رہنے کے لیے لازمی ہے۔ اسی طرح معاشی جد وجہد میں بھی وہ لازم ہیں اور جس طرح کمزور اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توانا نظام فطرت میں ملتے ہیں اسی طرح غریب اور امیر نظام معیشت میں بھی ملتے ہیں۔ جس طرح طاقتور جانور کمزور کو اپنی غذا بنالیتا ہے اسی طرح اغنیاء اور سرمایہ دار اپنے سے کمزور کو شکار بنا لیتے ہیں۔ یہ دونوں عمل فطری ہیں۔ ان کو اخلاق کے پیمانے سے ناپنا صحیح نہیں ہے۔ معاشی مسابقت کے صحیح اور غلط ہونے کا معیار صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ اس کے نتیجہ میں قومی پیداوار میں کتنا اضافہ ہوا۔ اس مسابقت کو اپنا صحیح رول ادا کرنے کے لیے ماہرین معاشیات نے آزاد معیشت کو کلیدی حیثیت عطا کی۔ اس معیشت میں ہر فرد کو ہر طرح کا ذریعہ معاش اختیار کرنے کی آزادی تو بہر حال حاصل ہوگی لیکن اس کی تکمیل اسی وقت ممکن ہوگی جبکہ سرمایہ کاری بھی آزاد ہو، بازار بھی آزاد ہوں، اور ہر بائع اپنی مصنوعات کو جس قیمت پر، اور جس طرح چاہے فروخت کر سکتا ہو۔ اسی مقصد کے لیے نجی ملکیت کا تصور نمایاں کیا گیا جس میں ہر فرد کو ملکیت تامہ حاصل ہوگی تاکہ وہ اپنی ملکیت کو جس طرح مناسب سمجھے استعمال کرے۔ نہ معاشرہ کو اس میں مداخلت کا حق ہے اور نہ حکومت کو۔ اگر یہ دونوں مداخلت کرتے ہیں تو مسابقت اپنا رول ادا نہ کر سکے گی نتیجتاً قومی پیداوار میں نقص واقع ہوگا۔ اپنی معاشی جد وجہد میں وہ صرف منافع کو مدنظر رکھے گا۔ آزاد معیشت میں اشیاء کی قیمت کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ قیمت اور متوقع منافع ملکر وسائل پیداوار کی تقسیم اور توزیع کرتے ہیں۔ اور یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ کون سی اشیاء کتنی مقدار میں اور کس طرح پیدا کی جائیں اور یہی دونوں عوامل یہ بھی متعین کرتے ہیں کہ پیداوار میں کس فرد اور گروہ کا کتنا حصہ ہو۔ مزدور کو کیا ملے گا اور سرمایہ دار کو کتنا۔ اسنادی ماہرین اقتصادیات مثلاً آدم اسمتھ، ریکارڈو، جان اسٹوارٹ مل اور اُن کے متبعین مثلاً مارشل وغیرہ کے نظریات یہی تھے۔ اسی نظریاتی تناظر میں علم معاشیات کے ماہرین نے معاشی جد وجہد کے عناصر اور عوامل کا تجزیہ کیا۔ مثلاً دولت اور آمدنی میں کیا فرق ہے۔" عوامل انتاج کس کو کہتے ہیں؟ ان کی اجرتوں کا تعین کس طرح ہوتا ہے۔ زر کا کیا رول ہے؟ سرمایہ کاری کس عمل کو کہتے ہیں۔ قیمت رسد اور طلب کا باہمی تعلق کیا ہے؟ صرف اور انتاج کی تعریف کیا ہے۔ زر کی رسد اور افراط زر کا باہمی تعلق کیا ہے؟ اس سے ایک قدم پیچھے جا کر انھوں نے صارف Consumer اور پیدا کنندہ Producer کے محرکات عمل متعین کیے اور متعدد تھیوریاں تشکیل دیں۔

اس بنیادی نظریہ سے ملحق وہ نظریہ تھا جس نے معاشی ترقی کے عوامل کا تجزیہ کیا تھا۔ اسنادی ماہرین کا نظریہ یہ تھا کہ معاشی ترقی کا انحصار سرمایہ کاری پر ہے اور سرمایہ کاری بغیر بچت کے ممکن نہیں۔ بچت فرد اور مجتمع کی آمدنی کا وہ حصہ ہے جو اشیائے صرف پر خرچ نہ ہو کر سرمایہ کاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں لگایا جائے۔ اشیائے صرف میں خوردونوش، اور روزمرہ کی دوسری ضروریات مثلاً مکان لباس، صحت اور تعلیم اور سواری وغیرہ شامل ہیں اور سرمایہ کاری میں مشین، اور صنعت و حرفت اور زراعت پر کیے گئے وہ اخراجات شامل ہیں جن سے پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ بچت کی استعداد ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جن کی آمدنی ضرورت زندگی سے کہیں فاضل ہو۔ مزدور اور عامۃ الناس کی استعداد بچت کم ہوتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات وہ ضروریات زندگی پر اپنی آمدنی سے زائد صرف کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ سرمایہ داروں کی آمدنی بھی زیادہ ہوتی ہے لہٰذا اُن کی بچت کی استعداد بھی زائد ہوتی ہے۔ اس لیے اگر کوئی سماج معاشی ترقی کرنا چاہتا ہے تو اس کو ایسی تدابیر اختیار کرنا چاہیے جن کے نتیجہ میں اُس کے وسائل کی تقسیم سرمایہ دار کے حق میں ہو۔ اس بنیادی طرزِ فکر کے نتیجہ میں ایسے نظریات وضع کیے گئے جیسے کہ Wage Fund-Theory جس کا سادہ سا بیان یہ ہے کہ ہر سماج میں وسائل آمدنی کا ایک متعین حصہ اُجرت کی ادائیگی کے لیے مخصوص ہوتا ہے اگر مزدوری کی آبادی بڑھ جائے تو شرح اجرت گھٹ جائے گی۔ اسی طرز فکر کی بالواسطہ تائید کے لیے مالتھس کا نظریہ آبادی تشکیل دیا گیا جس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نظام فطرت نے انسانوں کی آبادی بڑھنے کی شرح ایسی متعین کی ہے کہ وہ ہمیشہ وسائل پیداوار سے دوگنی یا تین گنی یا چار گنی رہے گی۔

عصری معاشیات کا ایک کارنامہ تو یہ ہے کہ اُس نے انسان کو محض ایک معاشی ایجنٹ قرار دیا جو شعور اور معقولیت سے بہرہ ور ہے اور جو ہر طرف سے صرف نظر کر کے زیادہ سے زیادہ افادہ یا منافع حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر اُس نے معقولیت Rationality کی تعریف اس طرح کی کہ اس کا مفہوم صرف کم قیمت پر زیادہ سے زیادہ نفع یا افادہ حاصل کرنا قرار پائے، دوسرا کارنامہ یہ انجام دیا کہ طلب، رسد، قیمت، زر اور آمدنی اور پیداوار کا ایسا میکانیکی نظام وضع کیا جس میں انسان دب گیا۔ اس کے عواطف اور احساسات، اس کی ترجیحات اور مقاصد، اس کا فکر اور شعور سب معاشی قانون کے تابع ہوگئے اور قیمت، طلب و رسد حقیقی عوامل بنا دیے گئے۔ کسی سماج میں کیا کچھ پیدا ہوتا ہے۔ طلب اور رسد کس طرح متعین ہوتے ہیں، معاشی جدوجہد میں کن عوامل کا کیا کردار ہوتا ہے ان سب کی تعیین مالیاتی پالیسی، زر کی رسد اور اس کی قیمت، بینکنگ پالیسی، نظام محاصل، درآمد اور برآمد کے ذریعہ کی جانے کی تدابیر اختیار کی جانے لگیں، نتیجتاً فرد کا مزاج، اس کا کردار، اُس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جذبات اور احساسات نظرانداز کردئے گئے۔ اس نقطۂ نظر کے دو لازمی نتائج ظہور پذیر ہوئے، ایک تو یہ کہ مغرب کے انسان کو غیر شعوری طور پر عام انسانیت کا نمائندہ سمجھ کر اُس جیسی پالیسیوں کو تیسری دنیا کے ممالک میں اختیار کیا گیا۔ چناں چہ بیشتر ممالک میں یہ پالیسیاں ناکام رہیں جس ناکامی کا بہترین تجزیہ مرڈل G. Myrdal جیسے ماہرین اقتصادیات اور اقوام متحدہ کے بعض اداروں نے خود کیا ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ خود علم معاشیات پر اعتبار جاتا رہا اور معاشی ناہمواری، افراط زر بے روزگاری، معاشی جبر و استحصال، کرپشن، بے روزگاری، اور صحت اور تعلیم وغیرہ جیسے مسائل نے تیسری دنیا کے حالات کو ایسے منجدھار میں پھنسا دیا ہے کہ ان کا نکلنا مشکل ہوگیا ہے۔

انسان کے مذکورہ بالا میکانیکی اور خالص معاشی تصور کو حقیقت سے قریب لانے کے لیے گذشتہ چند دہائیوں میں بعض اہم کوششیں کی گئی ہیں۔ مگر ان کا معاملہ اس طرح رہا جیسے کہ اصل کتاب پر حواشی لکھے جائیں۔ مثلاً یہ واضح کیا گیا کہ فرد کا مقصد صرف خالص منافع یا افادہ نہیں ہے بلکہ کچھ دوسرے غیر معاشی مقاصد بھی ہوسکتے ہیں۔ اس ادراکِ حقیقت کو اصل نظریہ میں بطور اضافی ترمیم کے پیش کیا گیا۔ چنانچہ تھیوری تو اصلاً وہی رہی البتہ اس میں حواشی بڑھا دئے گئے۔ یہ بھی تسلیم کیا گیا کہ معاشی ترقی پر انصاف کا اضافہ کرنا چاہیے۔ مگر اس سے معاشی ترقی کے اساسی نظریہ پر محض پیوندکاری کی گئی۔ اسی طرح یہ بھی تسلیم کیا گیا کہ قومی پیداوار کی تقسیم محض معاشی طلب (جو ضرورت سے زیادہ مالی استعداد سے عبارت ہے) کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ احتیاج Need کو فیصلہ کن کردار ادا کرنا چاہیے۔ مگر اس ترمیم کی حیثیت بھی یہ رہی کہ پالیسی وضع کرنے میں اس کو ملحوظ خاطر رکھا جائے، ورنہ تھیوری اصلاً وہی برقرار رہی۔ اس طرح مہارت فن، کارکردگی Efficiency کے ساتھ انصاف Equity کا جوڑ لگا دیا گیا۔ مگر آزاد مسابقت اور آزاد مارکیٹ میں موارد اور پیداوار کی تقسیم اور توزیع میں کارکردگی اور مہارت کا رول، اصل نظریہ میں وہی برقرار رہا۔ Equity اور انصاف کو اب بھی حواشی میں جگہ دی جارہی ہے، جیسا کہ ہندوستان کی نئی معاشی پالیسی سے ظاہر ہے۔

جدید علم معاشیات کے دو حصے ہیں۔ ایک جُزئی اور دوسرا کلی۔ جزئی معاشیات میں معاشی وحدتوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک صارف، ایک بازار، ایک صنعتی وحدت اور ایک شے کی طلب یا رسد یا ایک شے کی قیمت، یہی وہ حصہ ہے جس کو معاشیات کی بنیاد کہا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اسنادی ماہرین اقتصادیات اور اُن کے متبعین کا دور گزرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بعد جان مینرڈ کینس J.M. Keynes کی قیادت میں کلی معاشیات کا غلبہ ہوگیا تھا، مگر اب جزوی معاشیات کی اہمیت از سر نو بڑھ گئی ہے اور اس کا اعادہ ہو رہا ہے۔ جزوی معاشیات ہی دراصل انسان کا وہ تصور پیش کرتی ہے جس کا اوپر کے پیراگرافوں میں تذکرہ کیا گیا ہے۔ کلی معاشیات کا کام صرف یہ ہے کہ وہ انھیں تصوراتی بنیادوں کا اجتماعی سطح پر تجزیہ کرتی ہے۔ اس لیے وہ اصل کے اعتبار سے اُسی تصور انسان پر مبنی ہے جس پر جزئی معاشیات' افادہ کے طالب افراد کا مجموعہ جن کی معقولیت Rationality متاثر تو ہو سکتی ہے لیکن اپنی اصل کے اعتبار سے برقرار بھی رہتی ہے اور پالیسیوں کے وضع کرنے میں جس کا ملحوظ رکھنا لازمی ہے، وہ یہ فرض کرتی ہے کہ پورا معاشرہ ایسے انسانوں کا مجموعہ ہے جو اپنے ذاتی افادہ یا نفع کی طلب میں سرگرداں رہتے ہیں اور جن کا محرک عمل قیمت کی کمی اور نفع کا ازدیاد ہے۔ Maximization of Utility with Minimum Pain یا Maximum Profit with Minimum Cost اسلامی معاشیات معاشی جدوجہد کے متبادل اور کسی حد تک متغائر تجزیہ اور تحلیل کا نام ہے۔ اس تجزیہ میں انسان کی معاشی جدوجہد کو زندگی کا ایک جز قرار دیا جاتا ہے۔ اس کی شاہ کلید نہیں جب کہ عصری علم معاشیات میں معاشی جدوجہد کو انسانی زندگی میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ مارکسی نظریہ کے مطابق وسائل پیداوار کی ملکیت ہی وہ واحد عامل ہے جو انسانی روابط کی تعیین کرتا ہے۔ انسان کا فکر وشعور، اس کی اخلاقیات، اس کا دین ومذہب اور اس کی ترجیحات سب اسی سے مستنبط ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کی تاریخ بھی اسی کے تابع ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشیات کے حاملین اگرچہ اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے لیکن اس کے نظریات اور ان کے تجزیے بالواسطہ اسی کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ اس کی تھیوری کا بنیادی مفروضہ یہی ہے کہ معاشی جدوجہد کے اپنے داخلی ضوابط اور قانون ہیں جن پر فرد کے اخلاق اور اس کا نقطۂ نظر کچھ بھی اثر نہیں ڈالتا۔ اس طرح سرمایہ دارانہ معاشیات زندگی کے دوسرے پہلوؤں سے معاشی عوامل کا رشتہ کاٹ دیتی ہے۔ مثلاً طلب کن اشیا کی ہو۔ رسد میں کس طرح مالی اور قدرتی وسائل کا استعمال ہو۔ سرمایہ کاری کیسے اور کہاں کی جائے، یہ اور اس طرح کے دوسرے معاملات اخلاقیات اور فلسفۂ زندگی سے آزاد ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی معاشیات زندگی کو ایک کل مانتی ہے اور معاشی جدوجہد کو انسان کے نقطۂ نظر اور اُس کی اخلاقیات کے تابع سمجھتی ہے۔ لہٰذا اس کا نظریہ طلب ورسد اخلاقی اور دینی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلامی علم معاشیات کی بنیاد ایک ایسے تصور کائنات اور تصور انسان پر مبنی ہے جو عصری علم کے متغائر ہے اور متصادم بھی۔ یہ تصور قرآن و سنت کی دین ہے۔ یہ کائنات ایک ایسے کریم اور فیاض خدا کی بنائی ہوئی ہے جس نے تمام مخلوقات کی فطری ضروریات کے لیے وافر سامان حیات بہم پہنچایا ہے۔ یہاں پر فی نفسہٖ قلت Scarcity نہیں پائی جاتی۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے منافی ہے۔ جو بھی قلت یہاں پر ملتی ہے وہ بیشتر غیر منصفانہ تنظیم انسانی کا ثمرہ ہے یا پھر کوتاہی عمل کا۔ یہ عصری علم معاشیات کے تصور قلت Scarcity کی عین ضد ہے۔ اس کے نزدیک یہاں پر بالقوہ اور بالفعل قلت پائی جاتی ہے۔ بقول مالتھس اگر وسائل زندگی اور سامانِ حیات میں افزائش کی کوشش کی بھی جائے تو اس کی شرح افزائش ۱، ۲، ۳ کے تناسب سے ہوتی ہے جبکہ اس کے بالمقابل انسان کی آبادی ۱، ۲، ۴، ۸ کے تناسب سے بڑھتی ہے۔ لہٰذا یہ قلت بڑھتی جائے گی۔ پھر یہاں پر وسائل حیات کی تقسیم کا انحصار صرف استعداد، مہارت اور بازاری قیمت پر ہوتا ہے۔ چوں کہ فطرت نے انسانوں کے درمیان اس لحاظ سے فرق کر رکھا ہے اس لیے کسی کو کم ملتا ہے کسی کو زیادہ۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا (ہود: ۶)	زمین میں چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ کے ذمہ ہو۔
وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ٥ (الاسراء: ۷۰)	یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور انھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور انھیں بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

اگر انسانی نظام تقسیم عادلانہ ہو تو اس کرہ زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کی ضروریات زندگی پوری ہو سکتی ہیں۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ اپنی قوت اور تدابیر کے ذریعہ بعض افراد اور گروہ وسائل حیات کا بیشتر حصہ غصب کر لیتے ہیں لہٰذا کمزوروں اور ضعیفوں کے لیے کم بچتا ہے۔ بھکمری اور افلاس و مرض ان کا مقدر بن جاتے ہیں۔ جدید نظریہ آبادی نے انسانوں کو صرف صارف Consumer قرار دیا ہے، پیداوار کنندہ نہیں۔ یعنی جب ایک بچہ دنیا میں آتا ہے تو وہ صرف منھ لے کر آتا ہے ہاتھ نہیں۔ اس کو کھلانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے کتنی بھی کوشش کرو مگر ہر کوشش کے علی الرغم اس کی آبادی بڑھتی جاتی ہے۔ حالانکہ حقائق اس کے علی الرغم یہ ثابت کرتے ہیں کہ اگرچہ پچھلے سو برسوں میں انسانی آبادی بڑھی ہے لیکن ملکوں کا معیار پہلے سے کئی گنا بہتر ہوا ہے، غریب اور پسماندہ ملکوں کے ساتھ اگر امیر ممالک تعاون کرتے اور اپنے مجرمانہ اسراف پر قابو پاتے تو غربت اور افلاس میں غیر معمولی کمی ہوتی۔ مگر عصری فلسفۂ آبادی نے غربت و افلاس کا سارا الزام غریب ملکوں کی آبادی کے سر ڈال دیا ہے، اس نقطۂ نظر کے بالمقابل اسلامی نقطۂ نظر ہے جو خالق کائنات کے فضل و کرم پر زندگی کی تعمیر کرتا ہے جس نے زمین میں وسائل کے اتنے خزانے مہیا فرما رکھے ہیں کہ اگر انسان انصاف سے کام لے، اخراجات میں اسراف کے بجائے معقولیت اختیار کرے تو وسائل زندگی پوری انسانیت کے لیے کفایت کریں گے اور آج بھی اعداد و شمار یہی ثابت کرتے ہیں کہ دنیا میں اتنی غذا پانی اور دوسرے وسائل بالفعل موجود ہیں جو ساری انسانیت کے لیے کفایت کر سکتے ہیں بشرطیکہ اغنیاء اور امراء مسرفانہ طرز زندگی میں ترمیم کرلیں۔

اسلامی معاشیات کا دوسرا بنیادی تصور یہ ہے کہ قدرت کے فراہم کردہ خزائن سے استفادہ کرنے کے لیے جد و جہد ضروری ہے۔ عصری معاشیات نے بھی جد و جہد کو ضروری قرار دیا ہے۔ مگر اس نے تقسیم وسائل Distribution کو فرد کی جد و جہد اور اس کی استعداد کے کلیتاً تابع قرار دیا ہے۔ اُس کا موقف یہ ہے کہ انسانی سماج کے سب سے زیادہ منافع بخش وہ پیداواری جد و جہد ہے جو فرد کی استعداد اور مہارت کا ثمرہ ہو۔ چناں چہ ان کے نزدیک وہ نظام معیشت سب سے بہتر ہے جو کارکردگی کی بنیاد پر وسائل کی تقسیم کرتا ہے۔ جو جتنا زیادہ اس صنعت سے بہرہ ور ہوگا اُس کو اتنا ہی زیادہ وسائل حیات ملیں گے۔ اس نظام میں انسانیت، اخلاق اور خدا ترسی جیسی صفات کا کوئی مقام نہیں ہے۔ یہ ایک مشینی ضابطہ ہے جتنا کہ حیوانات کی زندگی میں جانور کی طاقت اور استعداد کو حاصل ہے۔ زندگی کا حق اُسی جانور کو حاصل ہے جو جھپٹنے اور شکار کرنے کی استعداد رکھتا ہو۔ مارکیٹ تھیوری اسی نظام کی بنیاد پر قائم ہے اس کے برعکس اسلامی معاشیات کا موقف یہ ہے کہ اگرچہ استعداد اور مہارت انسانی ترقی کے لیے ضروری ہیں لیکن تقسیم وسائل Distribution کو کلیتاً اس کے تابع کر دینا شقاوت اور بے رحمی ہے، اخلاق سے عاری ہے اور ظلم کا وسیلہ۔ اس لیے اس کے نزدیک مہارت کو تقسیم وسائل میں کلیدی اہمیت کا حامل نہیں ہونا بلکہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانیت دوستی، غربا پروری اور انصاف کے تابع کرنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تصور ملکیت میں وسائل اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھے جاتے ہیں۔ جو اغنیاء کو اس لیے دیئے گئے ہیں کہ وہ اس کا صحیح استعمال کریں۔ اپنے اوپر بھی خرچ کریں اور سائل و محروم پر بھی۔ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ۔

ہمارا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ عصر حاضر کے ماہرین معاشیات اور پالیسی ساز ادارے اس حقیقت سے ناواقف ہیں یا اپنی تدابیر اور پالیسیوں کی تشکیل میں اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔ بلکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ معاشیات کی بنیادی مارکیٹ تھیوری میں اس حقیقت کو خارجی عنصر (Exogenus) سمجھا جاتا ہے اور اصل تھیوری کی تشکیل کے بعد اس کو بطور حاشیہ شامل کیا جاتا ہے۔ نقص اسی نظریہ میں ہے جس پر معاشیات کی بنیاد ہے۔ لہٰذا باوجود حقائق کی سنگینی کے اب بھی اساسی معاشیات محض کارکردگی اور قلت کے تصور پر قائم ہے اور اسی پر اس کا ارتقاء بھی ہو رہا ہے۔

اسلامی معاشیات کے نزدیک فرد کے کردار، اس کے رجحانات، اس کے مقاصد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ وہ ایک معقول Rational حیوان ضرور ہے مگر اس کی معقولیت کا معیار صرف لاگت اور منافع کی حسابیات Calculus نہیں ہے۔ عصری علم کے نزدیک بحیثیت صارف ایک فرد صرف افادہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور بحیثیت پیداکنندہ صرف منافع۔ یہ دونوں معیارات زر اور مادی کمیت سے ترتیب پاتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلامی معاشیات کے نزدیک فرد صرف مالی منفعت اور جسمانی آرام ہی حاصل نہیں کرنا چاہتا بلکہ وہ غیر مادی اور ماورائے زر بھی مقاصد رکھتا ہے۔ جس کا جامع بیان آخرت کی فلاح کی اصطلاح کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ خریدار کی طلب کا محرک صرف مادی یا مالی منفعت نہیں ہوتا بلکہ خداوند کریم کی رضا اور انسان کی فلاح اور بہبود بھی ہوتی ہے۔ یہ دونوں رُخ (Dimen=sions) مل کر اُس کی طلب کو متعین کرتے ہیں۔ وہ کن اشیاء کو اور کس مقدار میں حاصل کرے گا، اس کا تعین جہاں اُس کی ضروریات کرتی ہیں وہیں خدا کا خوف اور تقویٰ بھی کرتے ہیں۔ وہ مُسرف نہیں ہوتا بلکہ متوسط راہ اختیار کرتا ہے۔ وہ محرمات سے دور رہتا ہے، تعیشات سے پرہیز کرتا ہے اور اس طرح قومی آمدنی کی ایسی تقسیم عمل میں آتی ہے جس سے ضروریات زندگی کی پیداوار فروغ پاتی ہیں اور ضیاع کے رجحانات دب جاتے ہیں۔ اسی طرح پیداوار میں مصروف فرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرمایہ کاری میں صرف شرح نافع پیش نظر نہیں رکھتا بلکہ عمومی انسانیت کی فلاح وبہبود بھی اُس کی سرمایہ کاری کے قومی محرک بن جاتے ہیں۔ یہ معقولیت کا انسانیت دوست اور رضائے الٰہی سے معمور تصور ہے، عصری معاشیات کا میکانکی اور شقادت پر مبنی تصور نہیں۔

بنابریں اسلامی معاشیات میں فرد کی اخلاقی اور جامع تربیت، اس کی تعلیمی اور فنی استعداد اُس کے مقاصد اور ترجیحات کو اولین حیثیت حاصل ہوتی ہے تراکم رأس المال Capital Accumulation کو ثانوی۔ اُس کے نزدیک ذرائع کسب المال کو مال کے برابر اہمیت حاصل ہے۔ اس کے اُصول کے مطابق مال کے حاصل کرنے کے جائز ذرائع ہی کسی سماج کی مجموعی فلاح کے ضامن بن سکتے ہیں۔ بددیانتی، خیانت، دھوکہ دہی پر مبنی ذرائع سے ایک فرد کا مال شاید بڑھ جائے لیکن معاشرہ کو اس سے غیر معمولی مضرت پہنچتی ہے اور بالآخر ایک غیر عادلانہ اور جبر واستحصال پر مبنی نظامِ معیشت وجود پذیر ہوتا ہے۔ فرد کے یہ دو متغائر تصورات ہیں جن میں ایک پر عصری علم معاشیات قائم ہے اور دوسرے پر اسلامی علم معاشیات عصری علم میں کلی معاشیات درحقیقت اسی تصور فرد سے مستنبط ہے۔ لہٰذا اپنی مجموعی صورتِ حال میں وہ بھی اسی طرح انسانیت دوستی اور اخلاقی اقدار سے عاری ہے۔ اس حقیقت کا بہتر ادراک حاصل کرنے کے لیے ہم اُن بنیادی مسائل کی طرف رجوع کرتے ہیں جو عصری علم کی بنیاد ہیں تاکہ اس کے بالمقابل ہم اسلامی کلی معاشیات کی امتیازی خصوصیات واضح کر سکیں۔

عصری علم معاشیات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ تین بنیادی سوالات سے بحث کرتی ہے۔

اول یہ کہ کن چیزوں کی پیداوار کی جائے؟ What to Produce

ثانیاً یہ کہ کس طرح یہ پیداوار کی جائے؟ How to Produce

اور ثالثاً یہ کہ پیداوار کس کے لیے کی جائے؟ For whom to Produce

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ان سوالات کا جواب حاصل کرتے وقت کائنات کے اور فرد کے اس تصور کو بحیثیت کلیدی تناظر کے پیش نظر رکھا جاتا ہے جن کا ہم اوپر تجزیہ کر چکے ہیں۔

عصری علم معاشیات ان تینوں سوالات کا جواب مارکیٹ سے حاصل کرتی ہے جس میں قیمت اور پیداواری لاگت Cost بحیثیت بنیادی عوامل کے کام کرتے ہیں۔ قیمت کا تعین رسد اور طلب سے ہوتا ہے۔ رسد کا انحصار پیداواری لاگت Cost of Production پر ہوتا ہے اور طلب کا انحصار صارف کی ترجیحات اشیاء کی افادیت اور اُس کی آمدنی پر ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چوں کہ دنیا میں قلت پائی جاتی ہے یعنی وسائل پیداوار ہر چیز کے انتاج کے لیے کافی نہیں ہوتے اس لیے پیداوار کنندہ کو ان کے درمیان انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ انتخاب کا معیار، بازار میں اشیاء کی متوقع طلب اور متوقع منافع ہوتا ہے۔ لہٰذا اُن اشیاء کی پیداوار کرنا چاہیے جن کی طلب ہو۔ طلب کا اظہار عملی دنیا میں اُس قیمت سے ہوتا ہے جو خریدار ادا کرنے کے لیے تیار بھی ہو اور استعداد بھی رکھتا ہو۔ پیداوار کنندہ یہ دیکھتا ہے کہ کن چیزوں کی متوقع طلب اور متوقع قیمت فروخت ایسی ہوتی ہے جس سے اس کو زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو سکے۔ لہٰذا اُن چیزوں کو پیدا کرنا چاہیے جن سے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل ہو سکے۔ بالفاظ دیگر جن کی قیمت پر کشش ہو۔ اس بنیاد پر وسائل پیداوار کی تقسیم ہوتی ہے اور کل قومی پیداوار کی کیفیت اور اُس کی کمیت کا تعین ہوتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب پیداواری لاگت سے متعلق عصری علم میں مضمر ہے۔ پیداوار کرنے والے کا مقصد کم سے کم قیمت پر پیداوار کرنا ہے۔ تاکہ اُس کی شرح منافع زیادہ سے زیادہ ہو۔ قیمت کی کمی کا انحصار وسائل اور ٹکنالوجی کی بہترین ترتیب اور استعمال ہے اور پیداواری لاگت سے عبارت عوامل پیداوار کی قیمتیں اور اُن کی رسد ہے۔ اس کے لیے ماہرین معاشیات نے ایک ایسی تھیوری وضع کی ہے جس کے ذریعہ وہ مختلف عوامل پیداوار کی پیداواری صلاحیت کی توضیح کرتے ہیں۔ مزدور اور سرمایہ کو استعمال کرنے اور اُن کے مختلف امتزاج Combination, ترتیب دینے کے لیے وہ مزدور اور سرمایہ کی قیمت اور اُن کی پیداواری صلاحیت کا موازنہ کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ان کا کون سا امتزاج قیمت کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے۔ پیداواری لاگت میں صرف مالی مصارف پیش نظر رہتے ہیں۔ کسی چیز کی پیداوار کرنے اور کسی متبادل چیز کی پیداوار نہ کرنے سے سماج کی عمومی فلاح و بہبود پر کیا اثر پڑتا ہے اس کا اس پورے حسابیہ Calculus میں کوئی ذکر نہیں ہوتا۔

تیسرے سوال کا جواب بھی عصری معاشیات طلب و رسد کے قوانین اور بازار کی قیمت کے سپرد کرتی ہے۔ قومی انتاج کی تقسیم کس طرح ہو یہ صارف اور خریدار کی طلب پر منحصر ہے۔ پیداوار کن ہاتھوں تک پہنچے اس کا جواب اس امر پر ہے کہ کون اس پیداوار کو حاصل کرنے کی استعداد رکھتا ہے اور اس کی قیمت ادا کر سکتا ہے۔ سادہ زبان میں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ پیداوار اُس فرد یا گروہ کے لیے کی جانا چاہیے جو اس کی قیمت ادا کر سکتا ہو۔ عصری ماہرین نے اس میکانیکی جواب کی قساوت کو محسوس کر کے اس کا جواب اس طرح دیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ جو اس کی طلب رکھتا ہو۔ انھوں نے یہ بات نظر انداز کر دی کہ طلب محض مالی وسائل کا مظہر ہوتی ہے نہ کہ ضرورت کی۔

ان تین بنیادی سوالات کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ

(۱) طلب کو اصل اہمیت حاصل ہے نہ کہ احتیاج کو۔

(۲) پیداوار کی مالی لاگت نہ کہ معاشرہ کی غیر مالی فلاح و بہبود کو اشیائے استعمال کی رسد میں کلیدی حیثیت حاصل ہے۔

(۳) کل قومی پیداوار میں کس کا کیا حصہ ہوگا اسی کا تعین عوامل پیداوار کی پیداواری صلاحیت کرے گی۔

مذکورہ خصوصیات کے مجموعی ردعمل کے نتیجہ میں ایک ایسا سماج وقوع پذیر ہوگا۔ جس میں سامان زیست اُن کو ملیں گے جو صاحب استطاعت ہوں۔ وہی بازار میں طلب لے کر پہنچیں گے اور وہی اُن چیزوں کو خرید سکیں گے جو مارکیٹ میں دستیاب ہوں گی۔ رہ گئے مفلس اور محتاج جن کی احتیاجات کی پشت پر مالی وسائل کی قوت نہ ہوگی اس سے محروم رہ جائیں گے۔ امیر، امیر تر، اور غریب، غریب تر ہو جائے گا۔ چونکہ طلب صاحب استطاعت لوگوں کی ترجیحات کا مظہر ہوگی اس لیے مجموعی پیداوار میں اُن کی ضرورت، ان کے سامان آسائش اور اُن کی مسرتوں کو پیش نظر رکھا جائے گا۔ لہٰذا کل قومی پیداوار کے اجزائے ترکیبی اغنیا اور صاحب استطاعت افراد اور گروہوں کی من حیث المجموعی تائید کریں گے۔

اسی فلسفہ کا نتیجہ ہے کہ آج تمام ملکوں میں بالعموم اور پسماندہ ملکوں میں بالخصوص قومی وسائل سامانِ عیش و عشرت پر ایسے تناسب سے صرف کیے جاتے ہیں کہ ایرکنڈیشنڈ کاریں، فائیو اسٹار ہوٹل، مہنگے اسپتال جو غریبوں کی پہنچ سے پرے ہیں، ہندوستان جیسے ملک میں قائم ہو رہے ہیں، یہاں پبلک ریل کے جنرل کمپارٹمنٹس یا سٹی بسوں میں جانوروں کی طرح ٹھونس دی جاتی ہے، جہاں غریب مریض جان لیوا امراض میں سرکاری اسپتالوں کے مرکبات پر اکتفا کرتا ہے، گندی بستیوں میں گندے پانی پی کر گذر کرتا ہے، جہاں ملک کی ایک بڑی اکثریت اپنے بچوں کو پرائمری تعلیم بھی دلانے سے قاصر ہے۔

اس فلسفہ کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ سرمایہ کاری کرتے وقت نہ فضا کی آلودگی کو اہمیت دی جاتی ہے اور نہ سماج کی صحت کو، نہ اس کے اخلاق کو۔ نہ انسانی جان کی حرمت پیشِ نظر ہوتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور نہ ہی اُس کی بنیادی احتیاجات۔ چنانچہ صنعت کار فضا کی آلودگی کو پرکاہ کے برابر اہمیت نہیں دیتے، لوگ نفع حاصل کرنے کے لیے انسان کے اعضائے رئیسہ کو فروخت کر دیتے ہیں۔ کیمیکل پیدا کرنے والی صنعتیں انسان کی صحت کو تباہ کرنے کو اپنے کھیل کا ایک حصہ سمجھتی ہیں، جہاں دوا اور غذا میں مجرمانہ ملاوٹ Adultration کیا جاتا ہے۔ نفع حاصل کرنا مقصد حیات بن جاتا ہے نہ کہ پیداوار اور چونکہ موجودہ نظام معیشت میں صرف سندات اور حصص، بانڈس اور اسٹاک اکسچینج کے ذریعہ محض مالیاتی گورکھ دھندے کے استعمال سے دولت میں نہایت سرعت سے اضافہ ہوتا ہے اس لیے ہر چھوٹا اور بڑا اس طرف دوڑتا ہے اب دولت حاصل کرنے کا ذریعہ صرف حقیقی پیداوار نہیں رہ گئی ہے بلکہ مالی سندات کا شاطرانہ کھیل زیادہ پرکشش ہے یہی وہ صورت حال ہے جو سیکورٹی گھوٹالا۔ بوفورس اسکینڈل اور Money Lamdeering جیسے واقعات میں ظہور پذیر ہو رہی ہے۔ مالی نفع حاصل کرنے کی یہی دوڑ ہے جو ہر مرحلے اور ہر سطح پر ظاہر ہو رہی یہاں تک کہ مہنگے اسپتالوں میں محض انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے صریح دھوکہ دہی سے کام لے کر خیراتی ٹرسٹ کا بورڈ لگا دیا جاتا ہے، خیانت اور دروغ گوئی تجارت کے عام وسائل بن گئے ہیں۔

اس کے بالکل برعکس وہ نظامِ معیشت ہے جو اسلام کی عطا کردہ اخلاقی اقدار، ترجیحات اور مقاصد پر تعمیر کیا جاتا ہے۔ اس نظام معیشت میں مذکورہ بالا سوالات کے جواب انسانیت دوستی اور سماجی فلاح بہبود کا مظہر ہیں۔ جن کے فکری تناظر میں وہ فلسفہ کائنات اور تصور انسانیت ہے جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں۔

قلت، مسابقت اور مالی منفعت کے حصول کو فرد کا مطمح نظر بنانے والا فلسفہ زندگی معاشی کامیابی کو فرد کی عقل اور جد وجہد کا ثمرہ قرار دیتا ہے۔ جو فرد کامیاب ہوتا ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ تمام تر کامیابی اُس کے زور بازو کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا اُس کے مزاج اور طبیعت میں استکبار اور خود پسندی پرورش پاتے ہیں۔ وہ کمزوروں کو روند کر گذرنے کو اپنا حق سمجھتا ہے دنیا کے خزینوں سے اُسے جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے وہ اس میں سے کمزوروں اور ضعیفوں کو عطا کرنے کو محض اپنی فیاضی قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ لوٹ کھسوٹ اور جبر و استحصال کی دنیا ہے۔ اس میں جو بھی جتنا لوٹ لے وہ اس کا حق ہے۔ وہ حاصل کردہ دولت کو مسلسل بڑھانے کے جنون میں مبتلا رہتا ہے۔ تشفی تام کی کیفیت اُس کی زندگی سے خارج ہوتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصنوعی احتیاجات میں اضافہ اس کی زندگی کا شعار بن جاتے ہیں۔ ظلم و دستبرد اس کے وسائل افزائش۔ اسی کے برعکس وہ نظریہ حیات ہے جس کی دو اہم بنیادیں شکر اور توکل ہیں۔ مومن اس کائنات کو خدا کا عطیہ سمجھتا ہے اور جد و جہد سے حاصل کردہ ثمرات کو خدا کا فضل۔ وہ یہ شعور رکھتا ہے کہ اس کی دنیا میں بہت سے افراد ایسے ہیں جو عقل و شعور میں اس سے کمتر نہیں ہیں۔ لیکن حالات نے اُن کی مساعدت نہ کی۔ اس لیے وہ کمزور اور مفلس ہیں۔ اس صورت حال میں وہ خدا کا شکر بجا لاتا ہے۔ اس شکر کے عملی اظہار کے لیے وہ مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک کو اپنا شعار بنا لیتا ہے ظلم، خیانت اور دستبرد سے اپنا دامن بچاتا ہے۔ استکبار کی جگہ تواضع اور انکسار اس کی خصلت بن جاتے ہیں۔ وہ ناکامی کو اللہ کا فیصلہ سمجھتا ہے۔ اس لیے وہ توکل کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اس نظام معیشت میں مشتری یا صارف اپنی ترجیحات میں ذاتی مفادات کے ساتھ ساتھ فلاحِ آخرت بھی پیشِ نظر رکھتا ہے۔ وہ اپنی خریداری سے حرام چیزوں، مثلاً مسکرات کو خارج کر دیتا ہے۔ رشتہ داروں اور فقراء و مساکین کی ضروریات پورا کرنے کا حتی الوسع اہتمام کرتا ہے، بجٹ بناتے وقت اس امر کا خیال رکھتا ہے کہ کون سی اشیاء جسمانی آرام و راحت کے لیے ضروری ہیں اور کون سی تزکیہ نفس کے لیے، اسی مقصد کے لیے وہ اپنے اوقات کی بھی متناسب تقسیم کرتا ہے، وہ اپنی تربیت کے لحاظ سے اسراف اور تبذیر سے ابا کرتا ہے۔ اپنے مال میں محروم اور مفلس کا لازمی حق تسلیم کرتا ہے۔ اس طرزِ عمل کے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ کم از کم تین ہیں۔ اول یہ کہ بیشتر طلب ضروریات زندگی پر مرکوز ہوتی ہے۔ ثانیاً یہ کہ سامان تعیش کی طلب کم ہو کر وسائل پیداوار کو فروغ دیتی ہے اور انھیں دوسری سماجی مفادات کے لیے فارغ کرتی ہے ثالثاً طلب کی اسی قلب ماہیت کے نتیجہ میں افراط زر کے دوامی عرض کی شدت میں غیر معمولی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ پیداواری لاگت بالخصوص اجرت کے دباؤ کا رجحان کم تر ہو جاتا ہے۔ عصر حاضر میں ایڈورٹائزنگ کا رول طلب پیدا کرنے میں خاصا معروف ہے۔ معیار زندگی کے بھوکے لوگ غیر حقیقی ضروریات کی تشفی کا سامان کرتے ہیں۔ نتیجۃً ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں جائز اور حقیقی ضروریات بمشکل تمام صرف ۱/۳ ہوتی ہیں۔ بقیہ ۲/۳ تہائی طلب یا تو ایڈورٹائزنگ کا نتیجہ ہوتی ہے یا دوسروں کے معیار زندگی کی نقل کا نتیجہ جسے ماہرین معاشیات Demonstrative Effect کہتے ہیں۔ انسانیت دوستی اور اخلاق پر مبنی سماج، فرد کو اپنی طلب کو صرف احتیاجات یا استعداد بڑھانے والے سامان تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محدود رکھتا ہے اس لیے کہ اُسے دوسرے کمزور اور غریب انسانوں کی فلاح وبہبود کو پیش رکھنا ہوتا ہے۔ یہ اُس کے خدا پرستانہ کردار کا جزو ہوتا قانون کا ضابطہ نہیں۔

اسی طرح پیداوار کرنے والے، اور سرمایہ کار کی ترجیحات میں بنیادی فرق واقع ہوتا ہے۔ وہ عام انسانوں کی طرح نفع کا خواہش مند تو ہوتا ہے۔ لیکن اس کی سرمایہ کاری کے معیارات Criteria of Investment میں اب سماج کی منفعت کا حصول اور اس کی مضرت سے اجتناب جزو لاینفک بن کر داخل ہوجاتے ہیں۔ ایک خدا ترس اور انسانیت دوست سرمایہ کار، استثمار کی راہوں میں سے اُس راہ کو منتخب کرتا ہے جو عام انسانوں کے لیے مفید ہوں چاہے اس کی شرح نفع نسبتاً کم ہو۔ اس کمی کو وہ پروردگار عالم کی رضا حاصل کرکے پورا کرنے میں یقین رکھتا ہے۔ چناں چہ اگر اس کے سامنے دو چارہ کار ہوں ایک وہ جس میں نفع کی شرح غیر معمولی ہو لیکن سماج کے اخلاق، اُس کی صحت اور غربا و مساکین کی چارہ گری کے مواقع نہ صرف کم ہوں بلکہ اُن کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو کم شرح منافع والے چارہ کار کو ترجیح دے گا۔ ایسے سماج میں یہ ممکن نہیں ہے کہ مسکرات، بلیو فلموں، انسان کے اعضاء رئیسہ کی خرید فروخت کے لیے تو سرمایہ وافر مقدار میں موجود ہو لیکن فقراء و مساکین کی رہائش، ان کی صحت اُن کی تعلیم اور دوسری ضروریات زندگی کے لیے بھی سرمایہ کاری کا رول صفر ہو اور حکومت کو بھلا برا انتظام کرنا ضروری ہوجائے، جیسا کہ آپ کے ملک ہندوستان میں ہر شہر اور ہر گاؤں میں نظر آتا ہے۔ اس ملک میں نجی سرمایہ کاری اُس میدان سے ابا کرتی ہو جہاں شرح منافع بہت کم ہو لیکن سوسائٹی کے کمزور طبقات کو کثیر فائدہ پہنچتا ہو۔ مثلاً اچھے تعلیمی ادارے، معقول اسپتال، صاف اور ستھرے پانی کا نظام، معقول ٹرانسپورٹ، وغیرہ بیشتر سرکاری انتظام اور تمویل financing کے محتاج ہوتے ہیں جس کے پاس وسائل کی کمی ہوتی ہے۔ اس سماج میں سرمایہ کار ضروریاتِ زندگی کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا تاکہ اشیائے ضرورت کی قیمت مصنوعی طور پر بڑھائی جاسکے۔ قدرتی وسائل کا مسرفانہ استعمال، اور فضا کی آلودگی جو موجودہ نظام معیشت کی خصوصیات بن چکے ہیں۔ اسلامی اور خدا ترس نظامِ معیشت میں ان کے امکانات صفر کے قریب ہوجاتے ہیں۔ اس سماج میں مصارف پیداوار اور حاصلات صرف مالیاتی حساب کا نام نہیں ہوتا بلکہ جلب منفعت اور دفع مضرت کا ایک میزانیہ تیار کیا جاتا ہے جس میں غربا اور سماج فلاح وبہبود اجزائے ترکیبی بن کر داخل ہوجاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر دین اسلام ایک خیالی فلسفہ نہیں ہے جس میں صرف فرد کے اخلاق، اس کے احساس تقویٰ اور اُس کی انسانیت دوستی پر مکمل انحصار کیا جاتا ہو یہی وجہ ہے کہ اسلام میں معیشت کی ایسی ادارتی تنظیم کی گئی ہے جن کی وجہ سے فرد کی بے راہ روی کے امکانات کم سے کم تر ہو جاتے ہیں۔

ان اداروں میں ایک اہم تنظیم Institution وہ ہے جو مالی اور تجارتی معاملات میں سود کا ازالہ کرتا ہے اور تجارت اور سرمایہ کاری میں صرف نفع و نقصان Profit & Loss کو اساس قرار دیتا ہے۔

سود عصری نظام مالیات میں غیر حقیقی ذرائع دولت کے وسیع دروازے کھولتا ہے۔

اس کی وجہ سے یہ ممکن ہے کہ فرد محض سندات، اعتمادات Stocks اور Equities کی خرید و فروخت سے دولت حاصل کر سکے جو حقیقی عمل انتاج سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ عصری نظام میں اجمالاً قومی آمدنی کا حساب ایک متعینہ مدت میں پیدا کیے گئے اثاثہ جات سے لگایا جاتا ہے۔ لیکن اثاثہ جات چوں کہ مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں اس لیے عملاً اُن کی بازاری قیمت کا تخمینہ لگا کر ان کا میزان نکالا جاتا ہے۔ مگر اثاثہ جات کی قیمت کا تخمینہ عام اشیاء استعمال کی طرح نہیں کیا جاتا بلکہ پیداواری یونٹ کے حصص اور اُن کی سندات کی قیمت کے واسطے سے اُن کا تخمینہ لگایا جاتا ہے۔ اس پورے عمل میں کسی یونٹ کی نفع آوری کی توقع حصص اور سندات کی قیمت متعین کرتے ہیں۔ یعنی امیدیں اور توقعات پورے اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار کی بنیاد بنتی ہیں۔ متوقع نفع آوری ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے جو حقائق سے مستنبط ہوتی ہیں لیکن بذات خود حقیقت نہیں ہوتیں۔ ان کا معاملہ یہ ہے کہ یہ ذرا سے دھکے سے نیچے آ سکتی ہیں اور تھوڑی سی توقع سے اوپر جا سکتی ہیں۔ لہٰذا منٹوں میں ہزاروں لاکھوں افراد کی دولت میں کمی ہو سکتی اور اسی طرح چند دقائق Minutes میں وہ کئی گنا ترقی کر سکتی ہیں۔ جن صنعتی وحدتوں کے حصص کی قیمت بازار میں گر جاتی ہیں اُن کی پیداواری صلاحیت اور مستقبل کی ترقی متاثر ہوتی ہے۔ لہٰذا سرمایہ کاری کا پورا عمل محض توقعات اور تخمینوں پر تعمیر ہوتا ہے اسی طرح اجمالی قومی دولت اور آمدنی کا تخمینہ کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ قومی آمدنی اور اثاثہ جات کا یہ تخمینہ بڑی حد تک محض دھوکہ ہے۔ آپ آخر سنتے ہوں گے کہ اسٹاک ایکسچینج میں حصص اور سندات کی قیمت کے اتار چڑھاؤ سے متاثر ہو کر ہزاروں لوگوں نے خودکشی کر لی۔ سندات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور حصص کی متوقع نفع آوری کی بنیاد پر لگایا ہوا اندازہ حقیقی سرمایہ کاری کو بُری طرح متاثر کرتا ہے۔ اس پورے گورکھ دھندے میں حقیقی پیداوار کا کردار ثانوی ہوتا ہے۔ اس عمل میں دھوکہ اور فریب دہی، کا کتنا رول ہے اور کتنا ہو سکتا ہے اس کا تجزیہ کرنے کے لیے آپ کو پورے سسٹم کا گہرا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے جو اس مقالہ میں ممکن نہیں ہے۔ شرح سود جس پر یہ عمارت تعمیر ہوتی ہے اس میں تموج پذیر Gyrative تبدیلیاں ہوتی ہیں جن کی وجہ سے نظام تمویل میں عدم استحکام Instability پیدا ہوتا ہے۔ پیداواری لاگت متاثر ہوتی ہے۔ پورا نظام انتاج عدم استحکام کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے سودی نظام پر مبنی آزاد معیشت میں برابر اتار چڑھاؤ ہوتے رہتے ہیں۔

اسٹاک ایکسچینج کے علاوہ بینکنگ اور غیر بینکنگ مالیاتی اداروں میں سود کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ بلکہ واقف کار یہ جانتے ہیں کہ حصص کی متوقع قیمت اور سرمایہ کی فراہمی کا تعلق شرح سود سے ہے۔ سودی نظام حقیقی پیداوار اور مالیاتی ذرائع کے درمیان براہِ راست تعلق کو توڑ دیتا ہے اور اس طرح ایک ایسا نظام معیشت وجود پذیر ہوتا جس میں استحکام بُری طرح متاثر ہوتا ہے۔ موجودہ نظام تمویل میں قرض کی فراہمی کی شرط سود ادا کرنے کی صلاحیت اور ضمانت Collateral ہوتے ہیں۔ نتیجتاً ایسے باصلاحیت افراد جو ضمانت فراہم نہ کر سکتے ہوں وہ محروم رہ جاتے ہیں اور قرض اُن افراد اور صنعتی وحدتوں کو فراہم کیا جاتا ہے جو پہلے ہی سے معاشی لحاظ سے مستحکم ہوں اور قرض کی واپسی کی استعداد رکھتے ہوں لہٰذا مزید مالی وسائل کا بہاؤ اُس طرف ہوتا ہے جہاں یہ وسائل موجود ہوں۔ اس طرح وسائل اور دولت کا ارتکاز شدید سے شدید تر ہو جاتا ہے اور آمدنیوں کی خلیج اور وسیع ہو جاتی ہے اور غیر منصفانہ تقسیم دولت کا نظام مزید مستحکم ہو جاتا ہے۔ سودی فراہمی مالیات میں یہ نہیں دیکھا جاتا کہ قرض دار یا سرمایہ کار اپنا سرمایہ کہاں لگاتا ہے۔ بلکہ صرف سرمایہ کاری کی متوقع نفع آوری پیش نظر ہوتی ہے۔ اس نفع آوری کا اندازہ بھی صرف مالی بنیادوں پر کیا جاتا ہے۔ اس طرز عمل کے نتائج سماج کے لیے مضر بھی ہوتے ہیں اور تفریق آمدنی کا باعث بھی بنتے ہیں۔

اس کے برعکس ایک ایسے نظام مالیات میں جس میں صاحب سرمایہ نفع اور نقصان کی بنیاد پر سرمایہ فراہم کرتا ہے، مالیاتی ادارے اور بینک نہ صرف یہ کہ حقیقی پیداوار پر نظر رکھتے ہیں بلکہ عمومی سماجی فلاح و بہبود سے براہِ راست متعلق ہو جاتے ہیں۔ اس نظام مالیات میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف سندات اور اعتمادات Stocks کے ہیر پھیر سے دولت کمانا ممکن نہیں رہتا۔ اس کا امکان تو صرف اس وقت ہوتا ہے جبکہ سودی معاملات کا عام چلن ہو۔ سود کی عدم موجودگی میں زر ایک قابل فروخت شئے کی جگہ پر محض وسیلہ بن جاتا ہے۔ اس لیے زر کی تخلیق Creation of Money منافع بخش عمل صرف اُسی وقت بنتا ہے جبکہ وہ حقیقی پیداوار پر منتج ہو۔ لہٰذا افراطِ زر کے امکان کم سے کم تر ہوجاتے ہیں۔ اسلامی نظامِ معیشت میں سود کی عدم موجودگی عام پیداوار کنندہ کے لیے اس امر کے امکانات باقی نہیں چھوڑتی کہ وہ مالیاتی ہیر پھیر سے دولت کما سکے۔ قرض کی فراہمی میں بھی ضمانت کی اہمیت صفر ہوجاتی ہے کیوں کہ صاحب سرمایہ شرکت اور مضاربت کی بنیاد پر خود ہی مشروع یا صنعتی وحدت Industrial Units میں شریکِ عمل ہوجاتا ہے۔ صلاحیت اور متوقع طلب کا صحیح تخمینہ ہی فراہمی سرمایہ کی تعیین کرتے ہیں۔ باصلاحیت لیکن وسائل کے اعتبار سے کمزور پیداکنندہ بھی مالی وسائل سے محروم نہیں ہوتا۔ اس لیے غیر عادلانہ تقسیم دولت اور تفریق آمدنی کے رجحان میں واضح کمی آتی ہے اسی لیے دوامی آتار چڑھاؤ Fluctuation کے امکانات کم سے کم تر ہوجاتے ہیں۔ نقدی سندات اور سود میں تموج پذیر تبدیلیاں محض نفسیاتی توقعات کی بنا پر ہوتی ہیں۔ جب کہ یہاں تبدیلی اور تقلب حقیقی پیداوار کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

مگر نظام معیشت میں پھر بھی اسی امر کا امکان رہتا ہے کہ آمدنیوں کا فرق باقی رہے یا اس میں اضافہ ہو۔ اس لیے اسلام نے زکوٰۃ اور نفلی صدقات کا ایسا نظام قائم کیا ہے جس سے اس رجحان میں مؤثر تبدیلی ممکن ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ اُس نے وراثت کا ایسا نظام تجویز کیا ہے جو ارتکاز دولت کو کم کرتے ہیں۔ اِن پر اس امر کا اضافہ کر لیجئے کہ بعض مخصوص معاملات میں مال کے خرچ کو کفارہ قرار دیا گیا ہے۔ عصری پیمانوں سے دیکھا جائے تو زکوٰۃ کی شرح بہت کم ہے لیکن اس کا نصاب بھی اتنا کم ہے کہ اس کے دائرے میں بہت بڑی تعداد آجاتی ہے۔ اس نظامِ معیشت میں حکومت پیداوار کو اصلاًنجی دائرہ میں رکھتی ہے۔ اور اس کی ذمہ داری صرف دو کاموں میں محصور رہتی ہے۔ اولاً ایسی تمام سہولتیں بہم پہنچانے جن سے نجی سرمایہ کاری بہتر نتائج پیدا کرے ثانیاً اجتماعی سطح پر جو نقص پیدا ہو اُس کو دور کرے۔ ثالثاً تقسیم دولت کے منصفانہ نظام کے نفاذ پر توجہ رکھے اور ضروری تدابیر اختیار کرے۔

مختصراً اسلام کی تعلیمات کی بنیاد پر تشکیل کردہ نظام درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) اس نظام میں معاشی حریت کو بطور اساس تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن یہ حریت صرف نجی مفادات کی محافظ نہیں ہے بلکہ اجتماعی مفادات کے تابع ہے۔

(۲) اس نظام میں نجی نفع کو اگرچہ ضروری اہمیت حاصل ہے لیکن یہ صرف مالی نفع نہیں ہے بلکہ اس میں اُخروی فلاح بطور جزو لاینفک کے اس طرح شامل ہے کہ وہ اس کی نوعیت اور ماہیت میں بنیادی فرق پیدا کر دیتی ہے۔

(۳) اس نظام میں نقدی راس المال اور اثاثہ جات کو ثانوی اہمیت دی جاتی ہے۔ فرد کے کردار اور اجتماعی مصالح کو اولین اہمیت حاصل ہوتی ہے۔

(۴) اس نظامِ معیشت میں عدل و انصاف کو بطور غایت اولیٰ کے پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اور اس کے لیے مناسب تنظیمی اور قانونی ماحول فراہم کیا جاتا ہے۔

(۵) اس نظامِ معیشت میں ایسا سماجی اور نظریاتی ماحول فراہم کیا جاتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر وسائل پیداوار کی تقسیم اس طرح عمل میں آتی ہیں کہ ضروریات زندگی کی افزائش کو اولیت حاصل ہو، اس کے بعد سامان راحت کو مصنوعی سلع صرف اور انتاج کے دروازے بند کیے جاتے ہیں۔

(۶) یہ نظامِ معیشت حقیقی پیداوار Real Production اور نقدی وسائل کے درمیان براہِ راست تعلق پیدا کرتا ہے۔ موجودہ عصری نظام کی طرح بالواسطہ نہیں۔ چناں چہ یہ صرف نفع اور خطر انگیزی کی اجازت دیتا ہے۔ سود کی نہیں۔

(۷) اس نظامِ معیشت میں نظام حاصلات اور آمدنی صرف محنت، انتاج اور خطر انگیزی سے ترتیب پاتا ہے۔ نقدی راس المال یا تمسکات کے ہیر پھیر کو خارج از امکان قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک راس المال سلع بیع نہیں ہے بلکہ وسیلہ انتباج یا مبادلہ۔

(۸) یہ سرمایہ کاری کے ایسے معیار تجویز کرتا ہے جن کے نفاذ سے فرد اور اجتماع دونوں کو بیک وقت فائدہ پہنچے۔ بلکہ فرد کی منفعت کو مجتمع کی منفعت سے مربوط کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ صرف نظریہ پر اعتماد نہیں کرتا بلکہ رسمی ضوابط وضع کرتا ہے اور ایسے اجتماعی ادارے تشکیل دیتا ہے جس سے سرمایہ کاری کا نہج ایسا ہی ہو۔

(۹) اسی نظام میں طلب اور احتیاج دونوں کا ایسا امتزاج ترتیب پاتا ہے جس سے کارکردگی اور انسانیت دوستی یا عدل دونوں ہی معاشی جدوجہد کے عناصر بن جائیں۔ بازار کی طلب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نقص اور غیر منصفانہ تقسیم قومی پیداوار کو وہ اجتماعی احتیاج کے تابع کرتا ہے اور اس مقصد کے لیے وہ سرمایہ کار کے ذہن کو بھی بناتا ہے، اور ایسے ادارے اور ضوابط بھی ترتیب دیتا ہے جس سے یہ مقاصد حاصل ہو سکیں۔ وہ اس غرض کے لیے وسائل کی ایک معتد بہ مقدار کو محتاج اور فقراء کی طرف منتقل کرنے کا قانونی اہتمام کرتا ہے اور حکومت کی ذمہ داری بھی قرار دیتا ہے کہ وہ اپنی پالیسیوں اور تدابیر سے نقل آمدنی کو ممکن بنائے۔

(۱۰) اسی نظام معیشت میں چوں کہ حکومت اصلاً پیداوار کنندہ نہیں ہوتی بلکہ وہ نقائص Distortions کو دور کرتی ہے اس لیے اس کو نہ اپنے معمول کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے اور نہ ہی منصفانہ تقسیم دولت کے لیے غیر معمولی وسائل کی ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ جابرانہ نظام ضرائب نافذ کرے یا وسیع پیمانے پر مرکزی بنک سے قرض لے کر افراط زر کا سبب بنے۔ اس لیے اسی نظام معیشت میں ٹیکس کم سے کم ہوں گے اور تخلیق زر کی ضرورت بھی کم سے کم ہو گی۔ ان دونوں وجوہ سے عام اشیاء کی قیمتوں میں مسلسل اوپر جانے کا رجحان محدود ہو گا۔

مراجع

اس فہرست میں صرف بنیادی کتابوں کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔ ان کتابوں میں عصری معاشیات کے بنیادی تصورات کا تجزیہ ملتا ہے۔

1. Adam Smith : The Wealth of Nations (1776)
2. David Ricordo : Principles of Political Economy & Taxation (1817)
3. Malthus, T.R. : Principles of Political Economy (1820)
4. J.S. Mills : Principles of Political Economy (1848)
5. Marshall A.: Principles of Economics (1890)
6. O, Brion. D.P. : The Classical Economists (Oxford University Press)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

7. Dorfman R. : Prices & Markets

8. Musgrave R.A. Musgrave P.B. : Public Finance in Theory & Practice (MacgrawHills)

9. Keynes. J.M. : The General Theory of Employment. Interest &Money.

10. Kindleberger, & LINDHERT P.H. : International Economics (RECHORD D. IRHIN)

11. Lewis, A. : Theory of Economic Growth

12. Paul Baran : The Political Economy of Growth. (1957)

اسلامی معاشیات پر درج ذیل کتابیں اس کی نظریاتی بنیادوں کو سمجھنے کے لیے مفید ہوں گی۔

1. Mannan, M.A. : Why Islamic Economics Important Seven Reasons for believing (K.R.I.E. 1982)

2. Ariff M. : Towards a Defination of Islamic Economics Some Scientific Considerations (J.R.I.E.) Winter (1982)

۳۔ باقرالصدر۔ اقتصادنا (۱۹۸۱)

۴۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ اسلام کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل (مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی)

۵۔ محمود ابوسعود۔ خطوط رئیسیہ فی الاقتصاد الاسلامی (الکویت، مکتبہ المنار ۱۹۶۷)

6. K. Ahmad : Studies in Islamic Economics(1980)

۷۔ عبدالقادر عودہ۔ المال والحکم فی الاسلام (۱۳۸۹۔ ۱۹۷۱ء)

۸۔ سید قطب۔ العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام۔

9. Chapra M.U. : Towards a Just Monetory System (1985)

۱۰۔ مصطفیٰ سباعی۔ الاشتراکیۃ الاسلام

11. Iqbal M. (Editor) : Distributive Justice & Need fulfilment in a Islamic Economy (1986)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۲۔ احمد النجار۔ المدخل الی النظریۃ الاقتصادیۃ فی الاسلام (۱۹۷۳ء)

13. Chapra M.U.: Objections of Islamic Economic Order (1979)

14. Awan Akhtar A. : Equality, Efficiency & Property Ownrship in Islam (N.Y. 1983)

15. Faridi F.R. : Fiscal Policy in Islamic State, JRIE(Summer 1983).

16. Faridi F.R. : CAPITAL FORMATION, ECONOMIC, GROWTH AND Public Budgeting in Islam in Reading in Public finance, Siddiqui H. Malysia-1990.

17. Faridi F.R. : Zakah & Fiscal Policy in K. Ahmad studies in Islamic Economics 1990.

18. M.N. Siddiqui : The Economic Enterprise in Islam (Lahore 1972).

19. M.N. Siddiqui : Banking without Interest (U.K. 1987).

۲۰۔ محمد نجات اللہ صدیقی ۔ اسلام کا نظریہ ملکیت ۔ مرکزی مکتبہ اسلامی ۔ دہلی ۔

© rasailojaraid.com